تنزیل و تاویل

اقسام قرآن

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۲ وَشَاهِدٍ ۳ وَّمَشْهُودٍ ۴

از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی

ہر طالب قرآن کے ذہن میں مذکورۂ بالا سورہ (بروج) کے مطالعہ کے وقت قدرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان قسموں کا کیا مقصد ہے؟ یہ جواب تو قرین قیاس نہیں ہوگا کہ خدا نے ان چیزوں کی احتراماً قسم کھائی ہے.... کیونکہ خدا سے اعلیٰ واجل آسمان و زمین میں کوئی چیز نہیں....

نفس یہ سوال کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیوں قسمیں کھائی ہیں بہت اہم ہے اکابر علماء نے بھی اس کی اہمیت محسوس کی ہے، چنانچہ بعضوں نے تو اس کی تحقیق میں مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ان میں علامہ ابن قیمؒ اور امام رازی رحمۃ اللہ کو خصوصیت کبریٰ حاصل ہے، ان دونوں اماموں نے ایک بڑی حد تک اس راہ کی گتھیاں سلجھائی ہیں۔ مقدم الذکر نے تبیان کے نام سے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے لیکن موخر الذکر کی اس پر کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ جن جن سورتوں میں قسمیں وارد ہیں ان میں سے اکثر کے متعلق انہوں نے اپنی کتاب (تفسیر کبیر) میں بحث کی ہے.... بیسویں صدی کے ایک عالم نے بھی اس سوال کی تحقیق میں (امعان فی اقسام القرآن) کے نام سے ایک نہایت ہی جامع رسالہ لکھا ہے اور غالباً اس مسئلہ کی تحقیق میں اب تک اس پایہ کی کوئی کتاب منصۂ شہود پر نہیں آئی ہے لیکن اس مقالہ میں اس کی تفصیل کی بالکل گنجائش نہیں اس لیے اس بحث کو دوسری صحبت

کے لیے اٹھا رکھتا ہوں، انشاء اللہ بشرط فرصت کسی دوسری صحبت میں اس پر بحث کروں گا۔ آج کی صحبت میں محض سورہ بروج کی قسموں کا مقصد پیش کرنے کی کوشش کروں گا...... لیکن پیش نظر سورہ کی قسموں کا منشا دریافت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اجمالاً پہلے نفس قسم کا مفہوم متعین کر لیا جائے ورنہ حقیقت کے سراغ لگانے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس لیے چند الفاظ میں پہلے نفس قسم کا مفہوم پیش کرنا مناسب ہوگا۔

عام طور پر لوگوں نے قسم اور تعظیم میں دامن اور چولی کا واسطہ سمجھ رکھا ہے اس نظریہ کی بنا پر قرآن پاک کی قسموں کی حکمت ان پر مخفی رہی اور باوجود انتہائی کوشش کے بھی ان کی حقیقت کا دروازہ ان پر بند رہا حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ قسم کا منشا شہادت ہے....... ہاں اگر مقسم بہ کوئی محترم چیز ہو تو وہاں شہادت کے ساتھ تعظیم کا بھی پہلو ہوگا ورنہ محض شہادت ہی کا مثلاً وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ، فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۔ ان قسموں میں محض شہادت ہی کا پہلو ہے اور "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يـ" میں شہادت اور احترام دونوں پہلو ہیں۔ الغرض قرآن پاک کی بعض قسمیں تو محض شہادت پر مشتمل ہیں اور بعض میں شہادت اور احترام دونوں مد نظر ہیں۔

قسم کا یہ مفہوم ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ہم اسی کی روشنی میں سورۂ بروج کی قسموں کا منشا دریافت کریں گے لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ پہلے مقسم علیہ کی تعیین کر لی جائے تاکہ قسموں کے صحیح مفہوم کی تعیین میں کسی طرح کی دقت نہ پیش آئے۔

سورہ بروج کی شہادتوں کو نکالنا میں نے جہاں تک سیاق و سباق کی روشنی میں پیش نظر سورہ کی شہادتوں کے مقسم علیہ کی بابت غور و فکر کیا ہے اسی نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ یہ شہادتیں جو منونت پر پیش کی گئی ہیں، دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ سکتے

ہیں کہ ان شہادتوں سے خدا نے اپنی سنت مجازات (دنیا و آخرت دونوں میں) پر استدلال کیا ہے اور اسی کی تائید ما قبل و ما بعد کی سورتیں بھی کرتی ہیں اور یہی رائے اس بارے میں جمہور مفسرین رح کی بھی ہے لیکن جب مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت کا سوال ہوتا ہے تو تقریباً سب خاموش نظر آتے ہیں ...... میں نے ایک مناسبت تلاش کی ہے لیکن قبل اس کے کہ اسے پیش کیا جائے مناسب ہوگا کہ ایک نہایت ہی ضروری مرحلہ سے گذر لیا جائے جو اس سے کہیں زیادہ کٹھن اور دشوار گذار ہے وہ پیش نظر سورہ کی قسموں کی تعیین ہے اور دراصل اسی نے مفسرین رحمہم اللہ کے لبوں پر مہر سکوت لگا دی ہے۔

سورہ بروج کی شہادتوں کی شرح اور تعیین (۱) والسماء ذات البروج "پہلی شہادت آسمان کی پیش کی ہے اور اس کی صفت برجوں والا بیان کی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ بروج سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے قصور[۱] سماوی مراد ہیں، اور بعض بزرگوں کے نزدیک اس سے کواکب[۲] مراد ہیں، اور بعض حضرات اس سے چاند و سورج کی منازل[۳] مراد لیتے ہیں، یہی تین اقوال حد شہرت کو پہنچے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک ان تینوں اقوال میں سے کسی ایک کے بھی لینے میں کوئی خرابی نہیں اس پر تفصیلی بحث مناسبت کے سلسلہ میں آئے گی۔

(۲) والیوم الموعود" یہ دینونت پر دوسری شہادت ہے اس کے بارے میں سب کے سب متفق اللفظ ہیں کہ اس سے روز جزا ہی مراد ہے۔

(۳ و ۴) وشاهد ومشهود " ان دونوں شہادتوں کے بارے میں سلف سے بے شمار اقوال کتب تفاسیر میں مذکور ہیں .... ہم ان میں سے دونوں کے متعلق چند مشہور اقوال تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں

(۱) شاہد" جمعہ[۱]، انسان[۲]، محمد[۳]، قربانی کا دن[۴]، اللہ[۵]، کائنات[۶]۔

(۲) مشہود" عرفہ[۱]، قیامت[۲]، جمعہ[۳]، انسان[۴]

ہمارے نزدیک مذکورۂ بالا اقوال میں اقرب الی الصواب دو قول ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو شاہد سے کائنات مراد لیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۸)

(۲) وہ لوگ جو مشہود سے انسان مراد لیتے ہیں یعنی یوں وہ تاویل کرتے ہیں کہ انسان خود اپنے خلاف شاہد ہے اور ان کے استدلال کی بنا قرآن پاک کی ان آیات پر ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۲۴ نور) — اس روز (قیامت) ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں خود کردہ کی اپنے خلاف شہادت دیں گے

ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۔ حم سجدہ (۲۱) — وہ کہیں گے اپنی کھالوں (اعضاء) سے تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی تو وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں وہ بلوا رہا ہے جس نے تمام چیزوں کو نطق عطا کیا ہے اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے اور اسی کے پاس تم پھر لوٹائے جاؤ گے۔

(ہذا قول الخراسانی تفسیر کبیر جلد ۸)۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیش نظر سورہ کا جو مقسم علیہ ہم نے ٹھیرایا ہے اس میں اور قسموں میں مناسبت ہے یا نہیں؟۔

مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت تفصیل بالا سے یہ تو ثابت ہوگیا ہوگا کہ یہ چاروں شہادتیں ایک ہی دعوی کے اثبات میں پیش کی گئی ہیں وہ یہ ہے کہ مجازات کا قانون یقینی ہے چنانچہ اسی اصول کی بنا پر بہت سی قومیں صفحۂ ہستی سے یکقلم مٹا دی گئیں۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ" اور اس کے ظہور کا اصلی دن قیامت ہوگا، يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ"..... رہا یہ سوال کہ آخر ان شہادتوں اور دعوی

میں کیا مناسبت ہے؟ یہ بہت ہی اہم ہے، اس لیے اس پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ چاروں قسموں کو لے کر الگ الگ مقسم علیہ سے ارتباط دکھلایا جائے۔

(۱) وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ "یہ شہادت وقوع دینونت پر پیش کی گئی ہے اور اس کی صفت برجوں والی قرار دیا ہے۔..... ہم بروج کی شرح میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے خواہ قصور سماوی مراد لیں یا کواکب لامعہ یا منازل شمس و قمر، ہر ایک کا احتمال ہے اور معنی میں بھی کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ بروج سے اگر قصور ساوی مراد لیں گے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ یہ سقف نیلگوں وقوع دینونت پر شاہد ہے، بروج کی قید اس لیے لگا دی کہ مخاطب اس کی طرف دیدۂ اعتبار سے دیکھ کر ایک صاحب جلال وجبروت اور عادل بادشاہ کا تصور قائم کرے، اور اگر بروج سے کواکب مراد لیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ یہ درخشاں تاروں سے منظم آسمان وقوع جزا پر شاہد ہے اور اگر اس سے چاند و سورج کی منزلیں مراد لیں تو اس کا یہ مفہوم ہوگا کہ یہ آفتاب و ماہتاب کا ایک خاص نظام کے ماتحت گردش کرنا اور ہر ایک کا اپنے اپنے دائرہ میں چکر لگانا شاہد ہے کہ یہ ڈھیر یوں ہی آپ سے آپ نہیں چل رہا ہے بلکہ اس کا ضرور کوئی نہ کوئی موجد ہے جو ہر طرح کے صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔ تو ضرور اس نے اس عالم کے وجود میں لانے کا کوئی نہ کوئی مقصد پیش نظر رکھا ہوگا اسی کو ہم قیامت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اصل سوال علی حالہ باقی رہا یعنی مناسبت کا سوال۔ اس کے سمجھنے کے لیے، اصولی طور پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید اثبات حقائق (اصول دین) میں کبھی تو عالم علوی کی چیزوں سے کام لیتا ہے کبھی عالم سفلی سے اور کبھی نظام انسانی کو دلیل میں پیش کرتا ہے۔ یہاں مجھے ان تمام دلائل سے بحث نہیں ہے بلکہ پیش نظر سورہ کی قسموں (شہادتوں) کے سمجھنے کے لیے صرف ان شہادتوں کی (خواہ وہ بطور قسم کے استعمال میں آئی ہوں یا آیت اور عبرت کے اسلوب میں) حکمت سے بحث کروں گا جو نظام علوی یا سفلی سے

متعلق ہیں''۔

میرے خیال میں نظام فوقانی کو بار بار شہادت میں اس لیے پیش کیا گیا کہ انسان اس نظام پر غور وفکر کرکے ایک ایسی ذات تک پہنچے جس کی حکمت لامحدود ہے، جس کا علم ساری کائنات کو محیط ہے، جس کی قدرت بے پناہ ہے اور جس کے ادنیٰ اشارہ سے یہ سارا نظام آناً فاناً میں درہم برہم ہوسکتا ہے۔ اور عالم سفلی کے شہادت میں پیش کرنے کی یہ حکمت ہے کہ انسان اگر ان مصنوعات باری پر بھی نظر ڈالے جو ہمہ آن اس کی نظروں کے سامنے ہیں تو وہ محسوس کرے گا کہ ان میں سے ہر ایک زبان حال سے ایک صاحب جلال وجبروت کی گواہی دے رہی ہے۔

سورۂ جاثیہ میں ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۳۔جاثیہ) — بیشک آسمانوں اور زمین میں مومنین کے لیے (وجود باری پر) شہادتیں ہیں۔

ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (۹۰۔ آل عمران) — بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات و دن کی گردش میں سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے لیے (نظام عالم کے باغایت ہونے پر) دلائل ہیں۔

سورۂ یونس میں ہے۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (۶۔یونس) — بیشک رات دن کی گردش میں اور جو کچھ آسمان و زمین میں خدا نے پیدا کیا ہے اہل تقویٰ کے لیے (وجود باری پر)۔۔۔۔ دلائل ہیں۔

انہی شہادتوں کو قرآن پاک نے قسم کے اسلوب میں بھی پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو!۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (۱۔ طارق) — شاہد ہے آسمان اور ستارے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا (۷-۱ شمس) — شاہد ہے سورج اور اس کی روشنی اور چاند جبکہ اس کے پیچھے آئے اور دن جبکہ اسے (دنیا) پُر نور کر دے اور رات جبکہ اسے ڈھانک لے اور آسمان اور اس کی صنعت اور زمین اور اس کی گستردگی، اور انسان اور اس کا (تمام قوی کمالیہ سے) مزین ہونا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (۱۔ نجم) — شاہد ہے ثریا جبکہ ڈھل جائے۔

پیش نظر سورہ کی پہلی شہادت نظام فوقانی ہی سے متعلق ہے یعنی اس چرخ کو شہادت میں پیش کرکے لوگوں کو دعوت دی ہے کہ وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا یہ چرخ آپ ہی آپ چل رہا ہے۔ ظاہر ہے کوئی بھی اس معلول کو خود اس کی علت قرار نہ دے گا بلکہ سب کے سب ایک ایسی طاقت کے تسلیم کرنے پر مجبور رہیں جو اس پورے نظام کو چلا رہی ہے اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کا مدبر کوئی معمولی نہیں ہے اس لئے کہ ایسے عظیم الشان نظام کا اس پابندی کے ساتھ چلانا کسی معمولی طاقت کا کام ہونا خلاف عقل و مشاہدہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کا مدبر ہر طرح کے صفات کمالیہ (حکمت، قدرت، ربوبیت، عدل، رحمت) کا جامع ہوگا اسی کو ہم خدا سے تعبیر کرتے ہیں اور جب وہ ان صفات کمالیہ سے متصف ہے (اور یقیناً ہے) تو ضرور ہے کہ اس نے یہ سقف نیلگوں اور یہ فرش زمردین یوں ہی بلا مقصد نہیں بچھائی ہوگی بلکہ اس کے یہ تمام مظاہر قدرت اس کی اصلی رحمت کے ظہور کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس کو ہم دینونت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خود قرآن پاک میں وقوع قیامت کو رحمت ایزدی کا سبب ٹھیرایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ — کہو آسمان اور زمین کس کی ملکیت ہے؟ کہو خدا کی۔ اس نے

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ الآیت (۱۲، انعام) — اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے کہ وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں

خلاصہ یہ کہ پیش نظر سورہ کی پہلی شہادت (والسماء ذات البروج) سے اس کے موجد پر استشہاد کیا ہے اور اس (موجد باری تعالیٰ) کے صفات سے وقوع دینونت پر استدلال کیا ہے، اور صفات سے کلیات دین پر استدلال قرآن پاک میں بہت شائع و ذائع ہے۔

(۲) "وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ" یہ وقوع دینونت پر دوسری شہادت ہے، سوال ہو سکتا ہے کہ یہ کیا؟ ایک ہی چیز دعویٰ بھی اور دلیل بھی؟ لیکن اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ بعض چیزیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو اپنے اثبات کے لیے خارجی دلائل کی بالکل محتاج نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ وہ دعوی اور دلیل دونوں کا کام دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ اگر آپ سے کوئی ٹھیک بارہ بجے دن میں یہ سوال کرے کہ کیا دلیل ہے کہ اس وقت رات نہیں، دن ہے؟ تو اس کا بہترین جواب تو یہ ہے کہ آپ خاموش رہیں۔ اور اگر جواب ہی دینا چاہتے ہوں تو یہ مصرع پڑھ دیجیے!

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اور اگر اس کے اثبات کے لیے منطقی دلائل و براہین کی جستجو میں پڑے تو یقین رکھیے کہ اس کی صداقت کو آپ اجاگر نہ کریں گے بلکہ اس پر اور پردہ ڈالیں گے ..... یہی صورت حال زمانہ نزول قرآن میں بھی تھی کفار وقوع قیامت پر آیات بینات مانگتے چونکہ یہ چیز بدیہی تھی اس لیے کہ بغیر اس کے ماننے کائنات کا بطلان لازم آتا ہے، قرآن نے کہیں تو اس کے اثبات کے لیے اپنی صفت حکمت و قدرت سے کام لیا ہے، اور بعض جگہ اظہار بداہت کے لیے اسی کو شہادت میں پیش کیا ہے۔ بعینہ اسی طرح اثبات صداقت قرآن کے باب میں بھی بعض جگہ تو اس کے منزل من اللہ ہونے پر دلائل عقلیہ و فطریہ کا انبار لگا دیا ہے اور بعض جگہ قرآن پاک ہی کو شہادت میں پیش کر دیا ہے

تفصیل کی گنجائش نہیں ۔

(۳) "وَشَاهِدٍ" یہ وقوع و ینونت پر تیسری شہادت ہے، ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سے کائنات مراد ہے یعنی وقوع جزا پر اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ زبان حال سے شہادت دے رہا ہے ۔ یہ کوئی انوکھا استشہاد نہیں ہے قرآن نے اس تعمیم کے ساتھ اور مواقع پر بھی استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ‎ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۴۰ ۔ حاقہ)

شاہد ہیں مرئیات (عالم سفلی) اور غیر مرئیات (عالم علوی) یہ ایک بزرگ فرستادہ کا کلام ہے ۔

دیکھیے مذکورہ بالا آیت میں لفظ "بما تبصرون" جس سے یہ پورا عالم ظاہر مراد ہے شہادت میں پیش کیا ہے ،

ایک دوسرے مقام پر بھی یہی تعمیم ہے ۔

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۔ (۶ ۔ یونس)

بیشک لیل و نہار کی گردش میں اور جو کچھ کہ خدا نے آسمان و زمین میں پیدا کیا ہے اہل تقویٰ کے لیے دلائل (وجود باری پر) ہیں ۔

دیکھیے مذکورہ بالا آیت کے اس ٹکڑے (وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) میں بھی وہی تعمیم ہے یعنی عالم ظاہر و باطن کا ایک ایک ذرّہ زبان حال سے خدا کی وحدانیت اور وقوع جزا کے وجوب کا کلمہ پڑھ رہا ہے ۔

(۴) "وَمَشْهُودٍ" یہ وقوع و ینونت پر چوتھی شہادت ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سے انسان مراد ہے ..... دعویٰ اور دلیل کے ارتباط کے باب میں اگر آپ امعان نظر سے کام لیں گے تو مختلف وجوہ سے انسان کا وجود وقوع دینونت پر شاہد نظر آئے گا ۔

(۱) انسان کا وجود دلیل قیامت ہے | یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ دنیا میں جتنی موجودات ہیں ہر ایک کی پیدائش میں

کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ پس ضرور ہے کہ انسان کے وجود کا بھی کوئی مقصد ہو، یہ تو صحیح نہیں کہ اس کا وجود محض اس لیے ہوا ہو کہ چند دن لذائذ دنیوی سے متمتع ہو کر پیوند خاک ہو جائے اگر یہی مقصد ہے تو یہ بہت ہی گھٹیا ہے اور اس کو وجود میں لانے والا الحکیم نہیں ہو سکتا۔ جب اس کا صانع ایک حکیم ہے تو یقیناً اس کی ایجاد کا کوئی مقصد ہوگا۔ یہی مقصد اور غایت ہے جس کا ظہور اس دن ہوگا جب کہ عدالت کبریٰ قائم ہوگی۔ اس لیے بے شمار جگہ خدا نے قرآن پاک میں نفس انسان کو دلیل معاد ٹھیرایا ہے"۔

سورہ قیامت میں ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۲۔ قیا) — اور شاہد ہے نفس لوامہ۔

ایک دوسری جگہ یوں مذکور ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۲۱ ذاریات) — خود تمہارے وجود میں (وقوع قیامت پر) بے شمار دلائل ہیں

سورہ شمس میں ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (۷۔ شمس) — اور انسان اور اس کی تخلیق عجیب شاہد ہے۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ہے۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى (۳۔ لیل) — اور شاہد ہے مذکر اور مونث مخلوق۔

(۲۸) انسان کا عجز اور اس کی بے بسی | قرآن پاک میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار مقامات پر خدا نے انسان کی بے بسی و لاچاری سے بھی وقوع قیامت پر استدلال کیا ہے:

سورہ طارق میں ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ۔ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ — انسان کو غور کرنا چاہیے کہ کس چیز سے اس کا وجود ہوا ہے؟ اچھلتے ہوئے پانی سے، جو نکلتا ہے ریڑھ

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ" (۵-۹) طارق

اور پسلیوں کے درمیان، ضرور وہ انسان کے دوبارہ وجود میں لانے پر قادر ہے جس دن کہ اس کے دل کی باتوں کی جانچ ہوگی اور نہ ہوگا اس کا کوئی یاور و غمگسار"۔

ایک اور مقام پر یوں وارد ہے۔

مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ (۲۲-۱۸) عبس

کتنی حقیر شے سے اسے پیدا کیا ہے، صاف و شفاف پانی سے، اولاً اس کی تخلیق کی، پھر اس کی تقدیر کی پھر راستہ اس کے لیے آسان کر دیا، پھر اسے مردہ کر کے قبر میں ڈال دیا پھر جب چاہے گا اٹھا کھڑے گا۔

سورہ قیامہ میں ہے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ" (۳۶-۴۰) قیامہ۔

کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ اس سے پہلے بے حقیقت قطرہ نہ تھا پھر منجمد خون کی صورت میں ہو گیا پس اولاً اس کی تخلیق کی پھر اسے آراستہ کر دیا۔ پھر اس نے پیدا کیا اس سے ذکر اور مونث، کیا وہ از سر نو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔